خدا کے نام سے شروع جو قابلیت دیتا ہے اور کامیابی بھی

''دل سے''

ٹرین میں وہ میرے عین سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور میں اس کے۔وہ کتاب پڑھ رہی تھی' اور میں اسے۔اس کے بال بھورے تھے اور آنکھیں نیلی۔چہرے پر اداسی تھی' اور کچھ غصہ بھی۔پہلے تو میں اپنے موبائل پر ایک فلم دیکھتا رہا تھا۔پھر بور ہو کر باہر جھانکنے لگا تھا۔ساتھ ساتھ میں اس لڑکی کا جائزہ بھی لیتا رہا تھا جس نے ایک بار بھی نظر اُٹھا کر مجھے نہیں دیکھا تھا اور اس چیز نے مجھے تکلیف دی تھی۔آپ جانتے ہی ہیں کہ کوئی ایک گھنٹے سے آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہو اور وہ ایک بار بھی نظر اُٹھا کر نہ دیکھے تو کتنا برا لگتا ہے۔

''کوئی زبردستی تو نہیں ہے کہ میں تمہیں دیکھوں۔'' کتاب پڑھتے پڑھتے اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہا۔اور یقین جانیں کہ حیرت سے میرا منہ کھل گیا۔اس نے میری سوچ لفظ بہ لفظ پڑھ لی تھی۔

''سوری میں سمجھا نہیں......؟؟'' میں نے اپنی شرمندگی چھپانے کی بچکانہ سی کوشش کی۔

وہ طنز سے ہنسی۔ہاتھ سے اپنے بال شانے سے پیچھے کیے اور کتاب کو بند کر کے سامنے رکھ دیا۔وہ کچھ فرصت اور زیادہ غصے سے مجھے گھور رہی تھی۔یعنی جو مجھے پہلے ایک نظر نہیں دیکھ رہی تھی' اب پوری طرح سے صرف مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔

''تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ تم پچھلے ایک گھنٹے سے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔''

وہ تو میں جانتا تھا لیکن وہ کیوں اور کیسے جانتی تھی۔حد ہے وہ میرے زاتی معاملات میں تانک جھانک کر رہی تھی۔

''میں اپنی آسائمنٹ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' میں نے بے شرمی سے جھوٹ بولا۔

''آنکھیں پیاری ہیں' لیکن تھوڑی سی اور بڑی ہوتیں تو اور اچھی لگتیں۔اور یہ بال......اف' زہر لگتا ہے مجھے جب لڑکیاں ایسے چڑیلوں کی طرح بالوں کو نیلا پیلا کروا لیتی ہیں۔یہ بھی ایک چڑیل ہی ہے۔امریکا کی ایک یہی بات بہت بری ہے' یہاں ہر کوئی منہ اٹھا کر کچھ بھی کر لیتا ہے۔''

اس نے سارے لفظ چبائے اور میرے منہ پر دے مارے۔میں اندر تک خوف سے سمٹ گیا۔کیا وہ میری ساری سوچیں پڑھ رہی تھی......ایک ایک......مطلب کہ لفظ بہ لفظ......یعنی کہ حرف بہ حرف......

''ایک ایک......مطلب کہ لفظ بہ لفظ......'' وہ طنز سے ہنس دی۔

جیسے ہی اس نے یہ کہا' یقین جانیں میں اپنی سیٹ سے اچھل پڑا۔میں واقعی میں خوفزدہ ہو چکا تھا۔

''کون ہو تم؟ کیا چاہتی ہو؟'' ویسے تو وہ صرف میری سوچ پڑھ رہی تھی لیکن میں یہ سمجھا کہ وہ میری جان لینے والی ہے۔مجھے کوئی بلی چوہا بنا دینا چاہتی ہے یا کسی غار میں لے جا کر بند کر دینا چاہتی ہے۔

''بنے بنائے چوہے کو میں پھر سے چوہا کیوں بناؤں گی؟ بے وقوف۔'' کہہ کر اس نے دوبارہ سے کتاب پکڑ لی اور پڑھنے لگی۔

اب ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری ہونے لگا تھا۔آپ جانتے ہی ہیں کہ جو کچھ ہمارے دماغ میں چل رہا ہوتا ہے' اس پر صرف ہمارا حق

ہوتا ہے۔ویسے بھی دماغ میں چلنے والی باتیں بتانے والی کہاں ہوتی ہیں۔یہ فسادی باتیں، تباہی باتیں، جھگڑالو باتیں ہوتی ہیں۔انہیں زبان سے نہیں نکالا جا سکتا۔

باہر موسم سرد تھا..... میں لڑکی سے اپنی نظریں بچاتے ہوئے، باہر جھانک لیتا تھا.....

اندر موسم گرم تھا..... وہ اب گاہے بگاہے آنکھ کی کمان اٹھا کر مجھے دیکھ (گھور) لیتی تھی۔

میں نے اپنے دماغ کو کسی اور کام سے لگانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن یقین جانیں دل اور دماغ دونوں، بہت بے ایمان، تھوڑے لوفر اور زیادہ لفنگے ہوتے ہیں۔جو نہیں سوچنا چاہیے وہی سوچتے ہیں۔جس شخص کو دماغ سے نکال دینا چاہیے، اسے ہی چوکڑی مار کر بٹھا دیتے ہیں۔جس خیال کو جھٹک دینا چاہیے، اسے ہی یہ گلے سے لگا کر، مہمان بنا لیتے ہیں۔یہ دل اور دماغ، سچ کہوں تو ہمارے پکے دشمن ہیں۔یہ عین موقعے پر مرواتے ہیں۔

پانچ منٹ کی سر توڑ کوشش کے بعد بھی میرا دماغ سامنے بیٹھی لڑکی کو سوچنے پر بضد رہا۔میں سر جھٹک رہا تھا، موو ی دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔زیر لب گانا گنگنا رہا تھا۔سفید برف، تیز بھاگتی ٹرین، اور آنے والی چھٹیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا..... پھر بھی..... میرا دماغ ..... اُف یہ دماغ..... چپ کر جا یار.....

ٹھیک ہے ٹیکنالوجی بہت ترقی کر چکی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی سائنس دان کی اولاد، کچھ ایسا ایجاد کر لے جو ہماری سوچ پڑھ لے۔یا پھر ٹیلی پیتھی سیکھ کر دوسروں کو ایسے زلیل و رسوا کرے۔

''میرے پاپا سائنس دان نہیں تھے، اور میں ٹیلی پیتھی بھی نہیں جانتی۔''

اس نے زیر لب کہا۔نظریں اس کی ابھی بھی کتاب پر ہی تھیں، اور کان میری سوچ پر۔وہ ایک وقت میں ایک ہی کام کیوں نہیں کر لیتی تھی۔یا وہ کتاب پڑھ لے، یا مجھے بے عزت۔

''شاید کوئی جادوگرنی ہے یہ.....''

اس نے ٹھک کر کے کتاب کو زوردار آواز سے بند کیا۔میرا دل بھی ٹھک کر جیسے بند ہی تو ہو گیا۔میں کیا کرتا میرا دماغ میری کسی بھی عرضی، منت، حکم، دھمکی، کا اثر ہی نہیں لے رہا تھا اور وہی کر رہا تھا، جو اس کا دل چاہ رہا تھا۔اگر میرا دماغ انسانی شکل میں میرے سامنے آ جاتا تو میں اب تک اس کا گلا دبا چکا ہوتا۔اسے ٹھنڈی جھیل میں ڈبو کر اس کا سانس بند کر چکا ہوتا۔ورنہ ٹرین سے دھکا دے کر باہر پھینک چکا ہوتا۔

''میں تمہیں جادوگرنی لگتی ہوں؟ کون سی جادوگرنی ٹرین میں سفر کرتی ہے، کتاب پڑھتی ہے، کافی پیتی اور چپس کھاتی ہے؟''

''جادوگرانیاں ماڈرن بھی تو ہو سکتی ہیں۔''میں نے زبان سے کہا۔گو میں ڈرا ہوا تھا لیکن اب کیا کرتا، میں پھنس بھی تو چکا تھا۔

''دماغ کی طرح تمہاری زبان بھی کافی چلتی ہے۔''غصے سے اس کے چہرے کے عضلات سکڑنے لگے تھے۔لیکن وہ تو غصے میں بھی بڑی کیوٹ لگ رہی تھی۔

اس نے پھر گھور کر مجھے دیکھا۔ ''میرا تھپڑ بھی بہت کیوٹ ہے' اور میری سینڈل بھی۔ سمجھے۔ میرے بیگ میں ایک عدد سپرے موجود ہے' جو امریکا کی ہر لڑکی تم جیسے لفنگوں کے لیے بیگ میں رکھتی ہے۔ سات سمندروں کے پانی سے آنکھیں دھولیں تو بھی جلن سے تین دن تک مچھلی کی طرح تڑپتے رہو گے۔''

اس نے بیگ کھولا' میں سمجھا وہ سپرے نکالنے لگی ہے۔ میں ڈر گیا' جلدی سے اپنا بیگ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کتاب کو بیگ میں رکھا' اور میرے شانے کو ٹکر مارتی ہوئی آگے نکل گئی۔

ہمارا اسٹیشن آ چکا تھا..... ٹرین رُک چکی تھی.....

میرا دماغ بھی ٹھکانے آ چکا تھا..... اور وہ بھی تو جا چکی تھی.....

''مس ئیلی پیتھی.....'' میں اس کا نام نہیں جانتا تھا' میں اسے آواز دے کر روکنا چاہتا تھا۔ لیکن کیسے روکتا۔ میں نے ہجوم میں جگہ بناتے ہوئے' چلا کر کہا اور ہاتھ بلند کر کے زور زور سے لہرانے لگا۔ لیکن وہ رکی نہیں۔

''مس مائنڈ ریڈر.....'' میں پھر سے چلایا۔ اس نے آواز سن لی تھی' پلٹ کر مجھے دیکھا بھی تھا' لیکن پھر بھی وہ رکی نہیں تھی.....

زندگی کے کچھ اتفاقات ہمیشہ یاد رہ جاتے ہیں..... یہ اتفاق بھی ہمیشہ یاد رہنے والا تھا۔

وہ خوب صورت تھی لیکن اداس تھی.....

وہ سوچ پڑھ لیتی تھی..... لیکن اپنی سوچ چھپائے ہوئے تھی۔

ایسے لوگ روز روز کہاں ملتے ہیں۔ ایسے لوگ گم کر دینے کے لیے تھوڑی ہوتے ہیں۔ اسٹیشن کے ہجوم میں' میں کچھ دیر کے لیے گم صم کھڑا رہ گیا تھا۔ مجھے یاد کرنا پڑا کہ میں خواب میں نہیں ہوں۔ مجھے یاد کرنا پڑا کہ میں نے اسے حقیقت میں دیکھا ہے۔

''مجھے یاد رہا کہ میں اس کی سمت کھینچا چلا جا رہا ہوں۔''

☆ ☆ ☆

برفیلی ہوا' دھند میں لپٹا شہر' میں اور میری سائیکل۔

میں سائیکل چلا رہا تھا اور میری کاؤبوائے ہیٹ ہوا میں اُڑ جانے کے قریب ہی تھی۔ میں تھوڑا سا ڈھیٹ بھی واقع ہوا ہوں' میں نے رُک کر ہیٹ کو اُتار کر اپنے کراس بیگ میں رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے بھی میرے سر پر جمے رہنے کی ضد نہیں کی اور ''تیز ہوا کے سنگ اڑ گئی''۔ تھی تو وہ سستی سی لیکن مجھے پسند بہت تھی۔ اب وہ اڑ چکی تھی تو میں پچھتا رہا تھا کہ اتنی تیز ہوا میں اسے پہننے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اسے گھر پر ہی آرام کرنے دیتا۔ موسم کی مناسبت سے تو اونی ٹوپی پہنی چاہیے تھی' لیکن اتنی عقل ہوتی تو آج میں بل گیٹس نہ ہوتا۔

خیر کچھ کھا پی لینے کے خیال سے میں ایک کیفے کے باہر رکا۔ سائیکل کھڑی کی اور اندر آ گیا۔ جس وقت میں اپنے دستانے اُتار کر' سر کو گھما کر کیفے کے اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت میں قریب قریب برف کا پتلا بن جانے کے مراحل میں تھا..... سفید اور یخ.....

کونے کی میز پر' کھڑکی کے پاس وہ بیٹھی ہوئی تھی..... وہ..... اور اس کے سامنے میز پر میری ہیٹ بھی رکھی ہوئی تھی۔

آپ نے دنیا جہاں کی فلمیں دیکھیں ہوں۔مسٹری اور فینٹسی کہانیاں پڑھی ہوں اور پھر آپ کو کوئی فلموں جیسا کردار حقیقی زندگی میں مل جائے تو آپ اسے ایسے ہی جانے دے سکتے ہیں.....نہیں نا.....تو پھر اس دن میں نے اسے کیوں جانے دیا تھا؟ یہ سوال میں نے خود سے ہزاروں بار پوچھا تھا۔امریکا کے اس برفیلے شہر میں' میں نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن وہ تو کیا مجھے اس کی ایک جھلک بھی دیکھنے کے لیے نہیں ملی تھی۔اب وہ پوری کی پوری ملی تھی تو میرے ہیٹ کے ساتھ ملی تھی۔

میں چلتا ہوا اس کے پاس گیا اور اپنی ہیٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔''تو یہ تمہارے پاس آ گئی تھی۔شکریہ۔''

اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔''ہاتھ ہٹاؤ اس پر سے۔''

''یہ ہیٹ میری ہے.....''

''میں اسے پولیس کو دینے جا رہی ہوں.....''

''اتنی سی ہیٹ کے لیے تم پولیس کے پاس جاؤ گی۔اس کا مالک جبران تمہارے سامنے کھڑا ہے۔پولیس کو زحمت نہ دو۔''

''یہ ہیٹ اور یہ مالک دونوں پولیس کے پاس جائیں گے کیونکہ اس ہیٹ کی وجہ سے میرا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔میں سائیکل چلا رہی تھی' اور یہ ہیٹ اُڑتی ہوئی میرے منہ پر آ کر چپک گئی تھی۔مجھے دکھائی دینا بند ہو گیا' اور میں ایک کھمبے سے ٹکرا گئی۔''

''کیا فلمی باتیں کر رہی ہو۔''میں نے قہقہہ لگایا۔''تم تو پوری کی پوری فلم ہو بھئی۔''مجھے یہ سب مذاق لگ رہا تھا۔لیکن یہ مذاق نہیں تھا۔اس کا ایک ہاتھ جو میز پر رکھا ہوا تھا وہ زخمی تھا۔آنکھ کے کنارے پر بینڈیج لگی ہوئی تھی۔وہ واقعی میں زخمی ہو چکی تھی۔

''اگر میں فلم ہوں تو تم بھی کسی کارٹون سیریز سے کم نہیں ہو۔''اس کا موڈ بہت خراب تھا۔

''مجھے معاف کر دو۔غلطی میری ہیٹ کی ہے' میرا کوئی قصور نہیں ہے۔میری اماں کہتی ہیں میں بہت نیک شریف انسان ہوں۔''

''ہونہہ.....شریف.....''وہ زیر لب بڑبڑائی

میں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔مجھے برا لگا کہ میری وجہ سے اسے تکلیف پہنچی تھی۔وہ کافی پینے لگی۔میں نے بھی اپنے لیے کافی منگوالی۔جب تک میری کافی آئی اس وقت تک وہ اپنی کافی پی کر اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو؟ ابھی میری کافی ختم نہیں ہوئی۔''

''تو؟''

''تو تم ایسے کیسے مجھے اکیلا چھوڑ کر جا سکتی ہو؟ بیٹھ جاؤ۔''

''کس خوشی میں؟''

''کسی بھی خوشی میں۔جب تک میں کافی پیوں گا اس وقت تک ہم تھوڑی سی باتیں کر لیں گے۔''

''باتیں.....سن لی ہیں میں نے تمہاری سب باتیں۔''اس نے جتا کر کہا اور باہر نکل گئی۔

''میرا نام جبران ہے' اپنا نام بھی بتا دو۔''

میں نے پیچھے سے کہا لیکن وہ رکی نہیں۔ اگر وہ ہر بار بھاگ سکتی تھی تو میں بھی بھاگ سکتا تھا۔ میں فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ دوبارہ میں اسے گم ہونے نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اپنی سائیکل پر بیٹھ چکی تھی، میں نے بھی اپنی سائیکل کو پکڑا اور اس پر بیٹھ کر اس کی رفتار تیز کر دی۔ گو میں بچپن سے سائیکل چلا رہا تھا، لیکن مجھے ماننا پڑے گا کہ وہ مجھ سے اچھی سائیکل سوار تھی۔ وہ آگے آگے تھی، میں اس سے تھوڑا سا پیچھے تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ہماری ریس شروع ہو چکی ہے۔ وہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ میں ہانپنے لگا تھا۔ اتنے ٹھنڈے موسم میں اتنی تیز سائیکل چلانا دل گردے کا کام ہے۔ ٹھنڈی ہوا نے میری ناک زخمی کر دی تھی۔ اگر میں مزید دس پندرہ منٹ تک ایسے ہی سائیکل چلاتا رہتا تو میرا کام آسانی سے تمام ہو سکتا تھا۔ پھر مجھے برف پر پھسل جانے کا ڈر بھی تھا۔ اس موسم میں لوگ گاڑیاں احتیاط سے چلاتے تھے، اور میں سائیکل کو ''جیٹ'' کی طرح اُڑ رہا تھا۔ دو پہیوں کا یہ جیٹ مجھے صاف صاف کریش ہوتا بھی نظر آ رہا تھا۔

''میری بات تو سنو! رک جاؤ پلیز۔''

اس کے تھوڑا سا قریب ہو کر میں نے چلا کر کہا۔ اس نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا اور رفتار مزید بڑھا دی۔ یعنی عجیب لڑکی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ مجھے دنیا میں کوئی اور کام نہیں ہے، میں بس سارے کام چھوڑ کر اس کے پیچھے ہی بھاگتا رہوں گا۔

''تو کس نے کہا بھاگو، دفعہ ہو جاؤ۔''

اس نے چلا کر کہا اور اپنی رفتار اور تیز کر لی۔ میں چکرا کر رہ گیا۔ لڑکی تھی یا بجلی.....

''شٹ اپ!'' بجلی نے کڑک کر کہا۔

وہ اتنے غصے میں تھی کہ مجھے لگا کہ وہ سائیکل روکے گی، اپنا کوئی دوسرا، تیسرا ٹیلنٹ ظاہر کرے گی یعنی منہ سے آگ وغیرہ نکالے گی اور مجھے جلا کر بھسم کر دے گی۔

''میرے منہ سے آگ نہیں نکلتی، مجھے افسوس ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا، ورنہ میں اب تک تمہیں کوئلہ بنا چکی ہوتی۔''

دیکھیں زرا یہ تو مصیبت ہے کہ انسان کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔ خیر میں نے پوری جان لگا کر سائیکل کی رفتار اور بڑھائی اور اس سے آگے نکل کر عین اس کی سائیکل کے سامنے، چند فٹ دُور اپنی سائیکل روک کر کھڑا ہو گیا۔ ہاں یہ کچھ ایکشن فلموں کی طرح کا انداز تھا، لیکن پھر میں اور کیا کرتا۔ ویسے مجھے نہیں معلوم تھا کہ اگر میں ''ایکشن'' دکھا سکتا ہوں تو وہ بھی دکھا سکتی ہے۔ میں اس کا راستہ روک کر کھڑا تھا، ساری سڑک نہیں۔ وہ سائیکل کو نیم دائرے میں گھما کر، سائیڈ سے نکل گئی۔ میری گردن بھی نیم دائرے میں اٹھی رہ گئی۔ وہ جا چکی تھی..... پھر سے.....

ایسی عجیب و غریب لڑکی مجھے ہی کیوں ملی تھی.....

☆ ☆ ☆

ایسی عجیب و غریب صلاحیت مجھے ہی کیوں ملی تھی۔ جیسے کان کو آواز سنائی دیتی ہے، ویسے ہی مجھے سوچ سنائی دیتی تھی۔

''کار ایکسیڈنٹ میں اس کا باپ مرا تھا، یہ بھی مر جاتی۔''

اس وقت میں چھ یا سات سال کی تھی جس وقت مجھے اپنے سوتیلے باپ کی یہ سوچ سنائی دی تھی۔ اس دن میں ماں کی شادی کے تین مہینے بعد ان کے ساتھ رہنے گئی تھی۔ اب مجھے انہی کے ساتھ رہنا تھا۔ میں اتنی چھوٹی تھی کہ اس بات کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکی تھی۔ دس سال کا ہونے پر بھی نہیں' کہ میری سوتیلی بہن جو میرے گال کھینچتی ہے' اور مجھ سے اپنے سب چھوٹے بڑے کام کرواتی ہے' وہ دل ہی دل میں مجھے گالیاں کیوں دیتی ہے۔ میرا سوتیلا باپ مجھ سے بات کرنا پسند نہیں کرتا' تو دل ہی دل مجھ پر لعنت بھیجنا کیوں پسند کرتا ہے۔

میں نے ماں سے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔ ''کیسی کیسی کہانیاں پڑھنے لگی ہو تم ردا؟ دیکھو سب دماغ میں بیٹھ گئی ہیں۔ نماز پڑھا کرو' ایسے برے برے خیال نہیں آئیں گے۔''

برے خیالات تو دوسروں کے تھے۔ مجھے ان سے بچنا تھا۔ پر کیسے۔

میں نے اپنی فرینڈ کو سب کچھ بتایا۔ وہ اُوپر اُوپر سے مجھے تسلیاں دیتی رہی' لیکن اندر ہی اندر وہ مجھے سائیکو کہہ رہی تھی۔

''اگر تم ایک بار ڈاکٹر سے مل لو تو زیادہ بہتر ہے۔'' اس نے اپنی ہنسی دبا کر کہا تھا۔

میں اس کی ہنسی اور ''سائیکو، سائیکو'' میں پھنس کر رہ گئی۔ اسکول کی ڈاکٹر کے پاس گئی تو اس نے ایک نفسیاتی بیماری کا نام لیا اور مجھے دوا دے دی۔ میں دوا کھاتی رہی' لیکن میری بیماری بڑھتی گئی۔ اتنی بڑھ گئی کہ میرے دل میں ٹیسیں اُٹھنے لگیں۔ جن چند لوگوں سے میں نے اس بیماری کا ذکر کیا تھا' انہیں لگتا تھا کہ یہ میرے دماغ کی کارستانی ہے۔ فلموں اور کہانیوں کے علاوہ ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ کوئی سوچ سن یا پڑھ سکے۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک نفسیاتی عارضہ ہے ورنہ بس ذہن کا فتور۔ میں نے ٹیلی پیتھی پر کچھ ناولز پڑھ لیے ہیں' اور میرے لاشعور میں یہ باتیں بیٹھ چکی ہیں۔ میں خوابوں خیالوں میں رہنے والی لڑکی ہوں۔ مجھے ایسی عجیب وغریب باتیں نہیں سوجھیں گی تو کسے سوجھیں گی۔

ماں نے کہا کہ میں کسی سے اس بات کا ذکر نہ کروں ورنہ لوگ مجھے پاگل کہیں گے۔ مجھے یہ ڈر نہیں تھا کہ لوگ مجھے پاگل کہیں گے' ڈر تو مجھے یہ تھا کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ رات کا کھانا جو ہم سب مل کر کھاتے تھے' وہ وقت میرے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا تھا۔ میرا باپ' میرا ایک ایک نوالہ گن رہا ہوتا تھا۔ ماں جب میری پلیٹ کھانے سے بھر رہی ہوتی تھی' تو وہ اپنی حلال کی کمائی' مجھ پر حرام جانے پر افسوس کر رہا ہوتا تھا۔

اٹھارہ سال کا ہوتے ہی میں کینیڈا سے امریکا آ گئی تھی۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا اور ساتھ ساتھ جاب کرنے لگی تھی۔ ماں ایک مہینہ روتی رہی تھی کہ میں نے کینیڈا کے کالج چھوڑ کر امریکا جانا کیوں پسند کیا۔ لیکن میں اسے کیسے سمجھاتی کہ میرا باپ' ایک ایک سال' ایک ایک دن گن رہا ہے کہ کب میں بالغ ہوتی ہوں اور یہاں سے دفعان ہو جاتی ہوں۔ اگر پھر بھی میں اس گھر میں ٹکی رہتی تو وہ بہانے سے مجھے دھکے دے کر نکال دیتے۔ جس سے ماں کو تکلیف پہنچتی۔ وہ ماں جو اپنے شوہر کو بہت اچھا انسان سمجھتی ہے۔ جس نے سوتیلی بیٹی کو مجھ سے بڑھ کر پیار دیا ہے کہ وہ بن ماں کی بچی ہے۔ لیکن مجھ بن باپ کی بچی کو' ان کے شوہر بمشکل برداشت کرتے رہے تھے۔

امریکا میں' میں جس فرینڈ کے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کرتی تھی' اسے میں بیمار روح لگتی تھی۔ اسے میرے کپڑے' جوتے' میرے ہاتھ کا پکا کھانا تو پسند تھا لیکن میں نہیں۔ اسے ہر ہفتے کچھ اُدھار چاہیے ہوتا تھا' جسے وہ کبھی واپس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے

لیے وہ مجھ سے جھوٹا پیار اور دوستی جتاتی تھی۔ جس سے میرا دم گھٹتا تھا۔ میں انسانوں سے بھاگ بھاگ کر تھک چکی تھی۔ لوگوں کی سوچ مجھ پر خنجر کی طرح وار کرتی تھی۔ میں جھوٹی محبت کو بھی سچی محبت کا نام نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ ''سچی محبت'' کا سارا جھوٹ کھل کر میرے سامنے آجاتا تھا۔ وہ کسی دوست کی محبت ہوتی' یا کسی اور رشتے کی۔

امریکا آنے کے ایک سال بعد میں ماں سے ملنے گئی تو ماں کو گلے سے لگاتے ہوئے' مسکرا کر باپ کو سلام کرتے ہوئے' میں پھر سے دُکھی ہوگئی تھی۔

''روز ویڈیو کال پر بات کرنے کے بعد بھی' اس کا یہاں آنا ضروری تھا۔'' وہ سوچ رہے تھے

''میں صرف دو دنوں کے لیے آئی ہوں۔ سنڈے کو چلی جاؤں گی۔'' میں کہے بغیر رہ نہیں سکی۔

''اتنے دنوں بعد آئی ہو' وہ بھی صرف دو دنوں کے لیے۔ یہ کیا بات ہوئی۔'' میرے باپ نے مسکرا کر کہا۔ ماں کا بنایا کھانا' میرے لیے زہر ہو گیا تھا۔ باپ کی نقلی مسکراہٹ اور اصلی سوچ نے میرا دل پھر سے توڑ دیا تھا۔ ایک سال کے بعد آنے پر بھی وہ انسان چند لمحوں کے لیے خوش نہیں ہو سکتا تھا۔

اگلے سال میری سوتیلی بہن امریکا اپنی فرینڈز کے ساتھ آئی تھی۔ اس کی فرینڈز ہوٹل میں رکنا چاہتی تھیں لیکن وہ انہیں یہاں لے آئی تھی۔ جب وہ میرا اپارٹمنٹ' میرا کمرا اور میری وارڈروب دیکھ رہی تھی تو وہ یہ طے کر رہی تھی کہ وہ باپ کو جا کر بتائے گی کہ کیسے میری ماں' اس کے باپ کی جمع پونجی اپنی لاڈلی کو بھجوا رہی ہے۔ اور لاڈلی یہاں عیش کر رہی ہے۔

پندرہ دن بعد جب وہ پانچوں واپس گئیں اور میری بہن نے مجھے گلے سے لگایا اور میرا گال چوما تو میری آنکھیں نم ہو گئیں۔ میں اس کی جھوٹی محبت اور سچی سوچوں کا بوجھ اٹھا اٹھا کر تھک چکی تھی۔ میں ہنسنا چاہتی تھی لیکن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں اپنی ماں تک سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ جن رشتوں کے لیے وہ اپنی جان مار رہی ہیں' وہ اصل میں ان کے ہیں ہی نہیں۔ میں حقیقت بتا کر ان کی زندگی جہنم نہیں بنانا چاہتی تھی۔ لیکن میری اپنی زندگی جہنم بن چکی تھی۔ سب رشتے' سب تعلق' سب نام' یہ نقلی ہی تو تھے میرے لیے۔ میں تنہا تھی۔ میں کوئی بھی رشتہ بنا ہی نہیں سکتی تھی۔ رشتوں پر جو پردہ ہوتا ہے' وہ میرے سامنے تار تار ہو جاتا ہے۔ انسانوں کا اندر میرے سامنے عیاں ہو جاتا ہے۔ پھر میں کسی سے کوئی تعلق کیسے بنا سکتی تھی؟؟

☆ ☆ ☆

تعلق بننے میں وقت ہی کتنا لگتا ہے۔ ایک بار وہ مجھے ٹرین میں ملی' دوسری بار سائیکل پر۔ اور بس' بن گیا تعلق۔

آنے والے کئی دن میں اس کیفے میں جاتا رہا تھا جہاں وہ مجھے ملی تھی لیکن وہ دوبارہ وہاں نہیں آئی تھی۔ مجھے اس پر غصہ بھی تھا کہ وہ ہمیشہ ایسے بھاگ کیوں جاتی ہے۔ میں تو بس اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تھوڑی دشمنی' زیادہ دوستی نبھانا چاہتا ہوں۔

''تم تھوڑی چالاک ہو' کچھ مکار ہو' زیادہ اداس ہو۔ کیوں؟ تمہاری آنکھیں نیلی ہیں' پیشانی پر غصے کی شکنیں ہیں' کیسے؟'' یہ سوال کرنا چاہتا ہوں۔

شاید وہ مجھے امریکا کے ان لڑکوں جیسا سمجھ رہی تھی جن کے لیے وہ اپنے بیگ میں سپرے چھپا کر رکھتی تھی۔ جبکہ اگر وہ میرے بارے میں کچھ باتیں جان لیتی تو اتنی خوفزدہ نہ ہوتی۔ مجھ میں کچھ برائیاں ہیں لیکن میں پوری طرح سے برا نہیں ہوں۔ میں برا سوچتا ہوں تو اچھا بھی سوچ لیتا ہوں۔ میں دوغلا ہوں تو دانا بھی ہوں۔ زیادہ جھوٹا' اور تھوڑا سچا۔ میں پوری طرح سے شریف نہیں ہوں تو غنڈہ اور بدمعاش بھی نہیں ہوں۔ میری نیت میں فتور ہے تو وہ شفاف بھی ہے۔ ہر دوسرے انسان کی طرح' مجھ میں تھوڑا تھوڑا سب کچھ ہے۔

لیکن یہ سب بتانے اور کہنے کے لیے وہ مجھے دوبارہ مل ہی نہیں رہی تھی۔ میں اسے یاد کرنے پر مجبور تھا' کیونکہ اسے بھلانا مشکل ہو رہا تھا۔ ''مجھے تمہاری نیلی آنکھیں پسند ہیں اور اداسی ناپسند.....'' یہ بتانے کے لیے تھوڑا سا بے تاب۔

جب مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ مجھے دوبارہ کبھی' کہیں دکھائی نہیں دے گی تب ہی وہ مجھے نظر آ گئی۔ شہر کے نواح میں موسم سرما کا ایک چھوٹا سا فیسٹول ہو رہا تھا۔ کچھ کھیل کود وغیرہ ہونے تھے' کچھ اسٹالز لگے تھے۔ سنڈے کا دن تھا' میں اپنے فرینڈز کے ساتھ وہاں گیا تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی سائیکل ریس بھی ہو رہی تھی۔ میں نے اس ریس میں شرکت تو نہیں کی تھی لیکن میں اسے دیکھنے کے لیے کھڑا تھا۔ اور تب ہی مجھے وہ ذرا دور اپنی سائیکل کے ساتھ کھڑی نظر آ گئی..... مس مائنڈ ریڈر.....

''ہیلو مس! شکر ہے کہ تم دوبارہ مل گئیں۔ تمہیں کتنا ڈھونڈا میں نے۔ کہاں چلی گئی تھیں تم؟''

میں نے بھاگتے ہوئے' چلاتے ہوئے' اس کے سامنے ہانپ کر کھڑا ہوتے ہوئے کہا۔ اس نے ہونٹ سکیڑ لیے' منہ بنا لیا۔

''خدا کے لیے اب پھر سے غائب نہ ہو جانا۔'' میں نے اس کی سائیکل کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے پہلے میرے ہاتھ کو پھر مجھے دیکھا۔ وہ شاید میرا دماغ پڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے جھٹکے سے سائیکل اٹھائی اور اس کا اگلا پہیہ میری ٹانگوں میں مارا۔

پیچھے ہٹو' ریس شروع ہونے والی ہے۔''

یہ بات وہ مجھے پہیہ مارے بغیر بھی کہہ سکتی تھی۔ وہ بد دماغ' ظالم' اور سنگدل لڑکی تھی۔ مجھے اس سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔

''بد دماغ سے بات ہی کیوں کرتے ہو تم؟'' سائیکل پر بیٹھے ہوئے اس نے غصے سے کہا۔

میں نے نہیں' میرے دماغ نے اسے ناراض کر دیا تھا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ میں اسے منا لوں گا۔

''تم تیسرے نمبر پر آئی ہو۔ مبارک ہو۔ لیکن اس دن تو تم ایسے سائیکل چلا رہی تھی' جیسے دنیا میں تم سے کوئی جیت ہی نہیں سکتا' اب تم خود دو سے ہار گئی۔'' میں اسے مبارک باد دینے اس کے پاس آیا۔ اس بار سائیکل سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہوا تھا۔

''تم مبارکباد دے رہے ہو یا طنز کر رہے ہو؟''

''میرا دماغ کیا کہتا ہے'' میں نے انگلی سے اپنے سر کو ٹھوکا اور مسکرایا۔

''شکریہ۔'' حیرت انگیز طور پر وہ بھی مسکرا دی۔ یہ پہلا شریفانہ لفظ تھا جو اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''تم شکریہ کہہ رہی ہو۔ مجھے؟ کیوں؟'' میں اس کی شرافت سہہ نہیں پایا۔

''کیونکہ تم واقعی میں مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر تمہیں خوشی ہوئی ہے۔'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''تو میں تمہارا دشمن تھوڑی ہوں۔ اچھا چلو کافی پیں؟ پیسے میں دوں گا۔''میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا' کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ پھر سے گم ہو جائے۔

''میرا ہاتھ چھوڑو۔''

''چھوڑ دوں گا لیکن وعدہ کرو تم پھر سے غائب نہیں ہو جاؤ گی۔''

''ہو بھی سکتی ہوں۔ تمہیں اس سے کیا۔''اس نے سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کیا۔

''تم مجھ سے دوستی نہیں کر سکتیں؟''

''نہیں.....''اس نے جھٹک کر میرا ہاتھ دُور کر دیا۔ پھر وہ دکھ سے ہنس دی اور اپنا رخ موڑ کر چلنے لگی۔

مجھے لگا کہ اس نے اپنی نم آنکھیں مجھ سے چھپا لینا چاہی ہیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی برف پر چلنے لگی تھی۔ اس کے پیر برف میں دھنستے جاتے تھے' وہ لڑھکڑاتی تھی' گرنے لگتی تھی' پھر وہ بھی رکتی نہیں تھی۔ وہ مجھ سے بھاگ رہی تھی' یا سب انسانوں سے۔

کتنی ہی دیر تک ہم دونوں آگے پیچھے چلتے رہے۔ میں جان نہیں سکا کہ میں کیا جاننا چاہتا ہوں۔ میں وجہ نہیں ڈھونڈ سکا کہ میں کیوں بلاوجہ اس کے پیچھے پیچھے ہوں۔ میرا اس سے کیا لینا دینا تھا۔

''جب کچھ لینا دینا نہیں تو میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو' چلے جاؤ تم بھی۔ تم سب ایک جیسے ہو۔''

اس نے گردن موڑ کر نہیں کہا تھا' لیکن اس نے روتے ہوئے ضرور کہا تھا۔

میں بھاگ کر اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی ناک سرخ ہو چکی تھی اور آنکھیں بھی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ مجھے یہ گمان ہوا کہ میں کھڑے کھڑے بت بن جاؤں گا۔ وہ سسک رہی تھی اور اس کی سانس' دھواں بن کر نکل رہی تھی۔ اندر لگی آگ' آنکھوں کے پانی سے بجھتی نہیں ہے' بلکہ اور بھڑک اٹھتی ہے۔ میں نے اس کا ہاتھ پھر سے پکڑ لیا' اور پھر اس پر اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا۔

''تم وہ سب سن لیتی ہو جو میں سوچتا ہوں' اب تم مجھے وہ سب سنا دو' جو تم سوچتی ہو۔''

سسکی سی بھر کر اس نے گیلی آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔''انسان ایک دھوکا ہے' اور اس کی محبت ڈھونگ۔''

اس نے یہاں سے بات شروع کی' اور اپنی ماں' بہن' باپ' اور زندگی میں ملنے والے ہر انسان کی حقیقت پر لا کر ختم کر دی۔ برف سے ڈھکے ہوئے بنچ پر جگہ بنا کر بیٹھے ہوئے' ہم دونوں کو شام ہو چکی تھی۔ پہلی ملاقات میں وہ مجھے جتنی نڈر لگی تھی' حقیقت میں وہ اتنی ہی کمزور تھی۔

''میں نڈر بننا چاہتی ہوں لیکن حقیقت میں کمزور ہوں۔''اس نے آہستگی سے کہا

''تمہاری کہانی عجیب نہیں ہے' تمہاری صلاحیت عجیب ہے۔ ہم سب انسان ایسے ہی ہیں' تم درگزر کرنا سیکھ لو۔ شور سے ہمارے کان پھٹنے لگتے ہیں تو ہم اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔ ہماری سوچ سے تمہارا دل پھٹنے لگے تو تم دل بڑا کر لو۔ اپنے سوتیلے باپ کی وجہ سے تم نے اپنی ماں کو چھوڑ دیا' اپنی ماں کی محبت کی وجہ سے تم اپنے سوتیلے باپ کو معاف کر دو۔ ہم تمہیں منہ پر اچھا کہیں گے اور دل میں گالیاں

دیں گے۔تم اکیلی نہیں ہو جس کے ساتھ یہ ہو رہا ہے' یہاں سب کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔فرق بس اتنا ہے کہ ہم جان نہیں پاتے اور تم جان لیتی ہو۔زندگی ایک آزمائش ہے' تم اسے اپنی آزمائش سمجھ لو۔''

اسکول کے بچے کی طرح' یک ٹک وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔پھر وہ اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

''کب تک انسانوں سے بھاگوں گی۔تم بھاگ کر اس دنیا سے باہر نہیں نکل سکتی۔''

اپنی سرخ آنکھیں اُٹھا کر مجھے دیکھا۔''مجھے کوئی بھی اچھا نہیں لگتا۔''

''کیونکہ تم نے ہم سب کو اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ قبول نہیں کیا۔تم فرشتوں کی دنیا میں موجود نہیں ہو ردا! یہ انسانوں کی دنیا ہے۔یہاں رہنا ہے تو سب برداشت کرنا ہوگا۔اچھی سوچ بھی اور گھٹیا سوچ بھی۔اصلی محبت اور نقلی پیار بھی۔''

اس نے ایک گہری نظر مجھے دیکھا اور اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔''رات ہونے والی ہے۔اب میں جا رہی ہوں۔بائے۔''اس کی چال شکستہ تھی' اور انداز دکھی۔

''میں کل تم سے یہیں ملوں گا۔''میں نے پیچھے سے چلا کر کہا۔

☆ ☆ ☆

وہ کل کبھی نہیں آیا جب وہ مجھ سے دوبارہ ملتی۔مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔نہ گھر کا ایڈریس تھا نہ ہی کوئی فون نمبر۔اس نے مجھے یہ تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کس کالج میں پڑھتی ہے۔جب بھی ہماری بات ہوئی' سرراہ ہی ہوئی۔وہ بھاگ جاتی تھی یا چلی جاتی تھی۔میں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔شاید وہ مجھ سے بھی دُور جا چکی تھی۔میری کسی گھٹیا سوچ کا اس نے اثر لے لیا تھا۔میری اچھائی کو نظر انداز کر کے اس نے میری برائی پر مجھے سزا دے دی تھی۔

''رہ رہی ہوگی کسی جنگل یا ویرانے میں۔ورنہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر۔ہم سب انسانوں سے دُور۔''میں اکثر تلخی سے سوچتا۔میں اسے تلاش کرنا چھوڑ دینا چاہتا تھا۔اسے بھول جانا چاہتا تھا۔وہ تھی ہی کون۔

وہ جو بھی تھی' میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔جب جب میں واک کرتا' سائیکل چلاتا' صبح اٹھ کر بستر پر بت بن کر بیٹھ جاتا' بھاگ کر یونیورسٹی کی طرف جاتا' لائبریری میں کتاب کھول کر کہنی میز پر ٹکا کر کہیں اور گم ہو جاتا' کوکنگ کرتا' ٹی وی دیکھتا' یا اسی کیفے میں جا کر کافی پیتا۔وہ میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تھی۔وہ میرے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔وہ مجھے یاد آتی تھی۔وہ مجھے اچھی لگی تھی۔میں ایک اور بار اسے دیکھنا چاہتا تھا.....

میں ایک اور بار اسے دیکھ سکتا تھا اگر میں سر اٹھا لیتا۔ٹرین میں وہ میرے عین سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔میں چھٹیاں گزارنے کینیڈا خالہ کے پاس گیا تھا اور اب واپس امریکا آ رہا تھا۔اس بار میں کتاب پڑھ رہا تھا۔اس بار میں نے اسے ایک بھی نظر نہیں دیکھا تھا۔مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔اس عجیب و غریب لڑکی سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

''اس عجیب و غریب لڑکی کو یاد کرنے کے لیے شکریہ۔''

میں تو بس کتاب پڑھ رہا ہوں۔ اچھی کتاب ہے یہ۔ میں اسے دوسری بار بھی پڑھوں گا۔

''مجھے ڈھونڈنے کے لیے بھی شکریہ۔ یہ اچھی کتاب مجھے بھی پڑھنے کے لیے دے دینا۔''

کتاب کے سب لفظ ہوا میں تحلیل ہونے لگے تھے۔ جیسے وہ مجھے ڈانس کر کے دکھا رہے ہوں۔

''الفاظ ڈانس نہیں کر رہے، تمہاری نظر دھندلا رہی ہوگی۔ تمہاری باتوں نے مجھ پر اچھا اثر کیا تھا۔ میں رہنے کے لیے ماں کے پاس گئی تھی۔''

مس مائنڈ ریڈر یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہے.....

''کیونکہ مس مائنڈ ریڈر نے بھی تمہیں بہت یاد کیا۔''

اف جھوٹی..... اف میرا دماغ..... چپ کر جا بھائی..... میری عزت رکھ لے.....

''بالکل سچ بول رہی ہوں..... سچی..... پاپا کی طبیعت خراب تھی۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے پاس رہوں۔ وہ کچھ کچھ شرمندہ بھی تھے۔ بار بار مجھ سے کہہ رہے تھے کہ جیسے ہی میری اسٹڈی مکمل ہو میں ان کے پاس واپس آ جاؤں۔ میں نے اپنا سمسٹر بھی مس کر دیا ہے۔ وہ مجھے آنے ہی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ امریکا واپس جاتے ہی تمہیں ڈھونڈوں گی اور تم سے خوب ساری باتیں کروں گی۔''

توبہ توبہ کتنا جھوٹ بولتی ہے یہ۔ جو مجھ سے بھاگتی رہی تھی، اب وہ مجھے ڈھونڈوتی..... ہونہہ.....

''میں نے تمہیں اسٹیشن پر دیکھ لیا تھا، اسی لیے میں بھاگ کر تمہارے پیچھے آئی تھی۔ تم نے دیکھا ہی تھا کہ جب میں یہاں آ کر بیٹھی تو میری سانس پھول رہی تھی۔ میں ہانپ رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ تم ہی ہو۔ وہ بھی کینیڈا میں۔ اگر تم مجھے پہلے مل جاتے تو میں تمہیں ماں سے ملواتی۔ وہ اس انسان سے مل کر بہت خوش ہوتیں جس نے میری زندگی اور میری سوچ کو بدلنے کی ایک اچھی کوشش کی۔''

اب یہ مجھے جذباتی کر رہی ہے، لیکن میں پھر بھی نہیں بولوں گا۔ میں اس سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں۔

''تم نہ بولو لیکن ایک بار مجھے دیکھ تو لو۔ میں نے بالوں کو سیاہ کروالیا ہے۔ اب میں ان پر کبھی نیلا پیلا رنگ نہیں کرواؤں گی۔''

جو چاہے کرو..... مجھے اس سے کیا..... اف..... میرا دماغ..... چپ کر جا یار.....

وہ تھوڑا سا جھکی اور بڑھ کر میرے ہاتھ سے کتاب کھینچ لی۔ ''مجھ سے کبھی بات نہ کرنا، لیکن ایسے ہی میرے سامنے چپ بیٹھے رہنا۔ بولو منظور ہے۔''

وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔ میں نے نظر اُٹھا کر اس کے سیاہ بالوں، نیلی آنکھوں اور معصوم مسکراہٹ کو دیکھا۔

''منظور ہے۔'' میں نے زبان سے بھی کہا اور دل سے بھی۔

☆ ☆ ☆